لدعوة الحق

صالح جمہوریت اور تعمیر جمہوریت

امن عالم کا مقدس فارمولا

تعلیمات قرآن پاک کی روشنی میں

از
مولانا سید محمد میاں صاحب

ناشر
شعبہ نشر و اشاعت جمعیۃ علماء ہند

لہٗ دعوۃ الحق۔

صالح جمہوریت اور تعمیر جمہوریت

امنِ عالم کا مقدس فارمولا

تعلیمات قرآن پاک کی روشنی میں

از

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب

بفرمائش مولانا محمد ایوب صاحب گنگوہی ناظم جمعیۃ علماء ہند

ناشر:۔ شعبہ نشر و اشاعت جمعیۃ علماء ہند

ملنے کا پتہ

الجمعیۃ بک ڈپو۔ قاسم جان اسٹریٹ دہلی

مطبوعہ کوہِ نور پرنٹنگ پریس، دہلی۶

قیمت :۔ ۵۰ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

الحمد للہ وکفٰی وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

صالح جمہوریت اور تعمیر جمہوریت

تعلیمات قرآن پاک کی روشنی میں

سنگ بنیاد اور حقیقی روح

اے انسانو! ہم نے تم کو پیدا کیا ایک مرد۔ اور ایک عورت سے۔ اور رکھ دیئے تمھارے گوت اور قبیلے۔ اس لئے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے یہاں سب سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ تقوے والا ہو۔

(سورہ حجرات ۴۹ آیت ۱۳)

ایک دوسری آیت میں مرد اور عورت کی دوئی کو اکائی کر دیا گیا ہے۔

اے لوگو ڈرتے رہو اپنے پروردگار سے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے۔ اور اسی ایک جان سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر اس جوڑے کے دو فرد سے کثیر تعداد میں مرد اور عورتیں پھیلا دیں

(سورہ نساء ۴ آیت ۱)

تصریحات واشارات

ان آیات مبارکہ کا مفاد یہ ہے۔

(۱) اس طرح کے تصوّرات اور عقیدے قطعاً غلط اور باطل ہیں کہ کسی برادری کا رشتہ چاند سے جڑا ہوا ہے۔ اور کوئی قوم آفتاب کی نسل سے ہے یا کسی نسل کا مورث پروردگار کے چہرے سے پیدا ہوا تھا اور کسی کا مورث اعلیٰ پیٹ سے یا پیروں سے۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔ (قرآن حکیم)

بہت ہی سخت اور غلط بات ہے جو ان کے منھ سے نکل رہی ہے وہ سراسر جھوٹ اور غلط بات کہہ رہے ہیں۔

---

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کے بعد جو دعا مانگا کرتے تھے اس کا ایک جزو یہ بھی ہوتا تھا۔

اللّٰھم ربنا ورب کل شیٔ انا شہید ان العباد کلھم اخوۃ۔

(ابوداؤد شریف باب مایقول الرجل اذا سلّم)

ترجمہ:۔ اے میرے پروردگار اور ہر چیز کے پالنے والے میں شہادت دیتا ہوں کہ تمام بندے بھائی بھائی ہیں۔

---

(۳) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الخلق عیال اللہ۔ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ

(مشکوٰۃ شریف باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ بس اللہ کی مخلوق میں اللہ کو سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کی مخلوق پر سب زیادہ احسان کرتا ہو۔

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدیٰ کا
کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کا

شاعرِ اسلام حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے انہیں تعلیمات کو ان اشعار میں منضبط کر دیا ہے۔

بنی آدم اعضاء یکدیگر اند، کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار، دگر عضو ہا را نماند قرار

ترجمہ:۔ آدم کی تمام اولاد آپس میں ایک دوسرے کا عضو ہیں کیونکہ ان سب کی پیدائش ایک ہی جوہر سے ہوئی ہے۔ اگر زمانہ کسی ایک عضو میں درد پیدا کر دیتا ہے تو دوسرے اعضاء کو بھی چین اور قرار باقی نہیں رہتا۔

قرآن پاک کی ہر ایک تعلیم جزو ایمان ہے بس ان سے زیادہ علمبردار جمہوریت کون ہو سکتا ہے جن کا ایمان ہو کہ تمام انسان ایک جڑ کی شاخیں اور ایک بدن کے اعضا ہیں۔ ان میں نہ کوئی دیچ نیچ ہے۔ نہ ذات پات جنکی

خداپرستی بھی محبت کے روپ میں ہو۔ اور سب سے اچھا خداپرست وہ ہو جو سب سے زیادہ مخلوق خدا سے پیار کرے۔

حقیقی روح اور جمہوریت کی جان

(۳) انسانی بھائی چارہ کا سب سے پہلا تقاضا ہے ہمدردی اور امداد باہمی مثلاً بے روزگار کو روزگار پر لگانا۔ بیمار کی خدمت، بھوکے کی امداد۔ مقروض کے قرض کی ادائیگی یا ادائے قرض میں امداد۔ بے پناہ کو پناہ دینا۔ کوئی بے قصور گرفتار کر لیا گیا ہے تو اس کی رہائی کی کوشش کرنا۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ رب العزت اور بندہ کا مکالمہ نقل فرمایا گیا ہے (ترجمہ یہ ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے ابن آدم میں بیمار پڑا۔ تو نے مجھے پوچھا بھی نہیں۔ ابن آدم کہے گا۔ خداوند عالم تو رب العالمین ہے تو کیسے بیمار پڑ سکتا تھا۔

رب العالمین :۔ میرا فلاں بندہ بیمار رہا تھا تو اگر اس کو پوچھنے جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

پھر ارشاد ہوگا :۔ ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہیں دیا۔

ابن آدم :۔ خداوندا تو رب العالمین ہے تجھے میں کیسے کھانا کھلا

سکتا تھا۔

رب العالمین:۔ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے اس کو کھانا نہیں دیا۔ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو مجھے تو اسکے پاس پاتا۔

رب العالمین:۔ ابن آدم میں پیاسا تھا تجھ سے پانی مانگا تو نے پانی نہیں دیا

ابن آدم:۔ خداوند تو رب العالمین ہے تجھے میں کیسے پانی پلا سکتا تھا

رب العالمین:۔ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا۔ اگر تو اسے پانی پلاتا تو مجھے وہیں اس کے پاس پاتا

(مسلم شریف بحوالہ مشکوۃ شریف)

مساوات اور بھائی چارہ کا تقاضا اور مطالبہ

جب سب انسان ایک ماں باپ کی اولاد ایک خدا کا کنبہ اور ایک بدن کے اعضا ہیں تو یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی انسان کو قابل پرستش مانا جائے اس کے سامنے اس طرح ڈنڈوت کریں یا گردن جھکائیں یا اس طرح کمر ٹیڑھی کریں جیسے خدا کے سامنے کی جاتی ہے۔

لا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ (آل عمران ۷)

(۲) نہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کے حکم یا طور طریق اور اس کے طرز و انداز کو مذہب اور دھرم کا جز بنالیں۔ دین اور دھرم اللہ کا ہے اسی کا حکم دین کا حکم بن سکتا ہے یا اس کا جو دین کے مالک (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے دین سکھانے کا ذمہ دار بنایا گیا ہو۔ کیوں کہ اس کا بتانا خدا

کا بتانا ہوگا۔ وہ صرف ایلچی ہوگا۔ اصل حکم خدا کا حکم ہوگا
(۳) یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص یا خاندان کو انسانوں کی گردنوں کا مالک مان لیں اس کا حکم قانون بن جائے اس کے خلاف نہ داد ہو سکے نہ فریاد۔ یعنی جب ہر انسان بھائی بھائی اور انسان ہونے میں برابر کا شریک ہے تو کسی انسان یا انسانوں کے کسی خاندان کو دوسرے انسانوں کا مالک اور بادشاہ نہیں مانا جا سکتا۔ نہ حکومت کو اور نہ ملکی قیادت کو کسی ایک خاندان کے ساتھ اس طرح جوڑا جا سکتا ہے کہ باپ کے بعد اس کا بیٹا راجہ اور اس کی راج گدی کا مالک بن جائے یہ چیز انسانی برادری کے لئے موت کا پیغام ہے۔ اگر ہم کسی کی رعایا ہیں تو اس کی برابری اور مساوات کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اس لئے اسلام اس کو برداشت نہیں کرتا کہ کسی کو شہنشاہ کہا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ نفرت انگیز بات یہ ہے کہ کسی کو ملک الاملاک (شہنشاہ) کہا جائے (بخاری شریف ص ۹۱۶)

جمہوریت کی تشریح و تعبیر

جمہور کا تجزیہ کیجئے:۔ آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ بہت سی سوسائٹیاں بہت سی جماعتوں اور مختلف طبقات کے مجموعہ کا نام جمہور ہے۔ اور یہی جمہور جب اجتماعی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے نظام بناتا ہے تو اس کو جمہوریہ کہا جاتا ہے۔ اور یہ تصور یا نظریہ کہ نظام اس طرح کا ہو کہ جمہور کے

احساسات وجذبات کی عکاسی کر رہا ہو، جمہوریت ہے۔

اگر آپ جمہوریت کی چوٹی پر کھڑے ہو کر دیکھیں، تو آپ مشاہدہ کریں گے کہ طبقات۔ سوسائیٹیوں اور جماعتوں کے ستون ہیں جن پر یہ تعمیر اٹھی ہوئی ہے۔ اگر یہ ستون ٹھیک ہیں تو یہ تمام تعمیر درست ہے ورنہ

خشت اول گر نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

اگر ہم ان ستونوں کا نام معاشرہ اور سماج رکھ دیں تو ہم یہ بھی کہہ سکیں گے کہ صحیح اور صالح جمہوریت کی بنیادی شرط اصلاح سماج ہے۔

سماج کی درستی کا لفظ جب زبان پر آتا ہے تو ہمارا ذہن فوراً تعلیم اور تعلیم گاہوں یا ان پنچائتوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جن کو گرام سدھار، یا محلہ سدھار کمیٹی کہا جاتا ہے اور جس کا نظام ملک میں پھیلایا گیا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ تعلیم ہو تو کس چیز کی۔ اور سدھار ہو تو کن اصولوں پر۔ کیا ہندی یا انگریزی زبان یا حساب، جغرافیہ اور مساحت وغیرہ کی تعلیم سماج کو درست کر دے گی۔ اور کیا اتنی بات کافی ہوگی کہ گرام سدھار پنچایتوں کے ممبر کھیتی، باڑی، آبپاشی اور دست کاری یا قانون کی کچھ باتوں سے واقف یا ان کے ماہر ہوں؟

قرآن کریم نے جب اخوت اور مساوات کا درس دیتے ہوئے جمہوری نظام کی طرف رہنمائی کی تو اس نے پہلے وہ اصول بتا دیئے جن پر سماج کی تربیت ہونی چاہیے تاکہ صالح جمہوریت رونما ہو سکے اور جمہوری مملکت چین اور اطمینان

کا گہوارہ بن سکے۔

اصلاح معاشرہ (سماج کی درستی) کے اصول

سورہ حجرات کی آیت ۱۳ وہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ مگر اس سے پہلے آیت ۱۱ و ۱۲ اور آیت ۱ و ۲ و ۶ و ۹ وغیرہ میں ان امور کی تعلیم دی گئی ہے جو اصلاح و درستی کے اصول ہونے چاہئیں جن پر معاشرہ اور سماج کی تربیت کی جائے۔ ان اصول کی تفسیر ان الفاظ میں کی جاسکتی ہے۔

(الف) ایک دوسرے کا احترام سامنے بھی اور پیچھے بھی۔
(ب) دلوں کی صفائی۔
(ج) آگے بڑھنے اور ترقی کرنے یعنی جذبۂ تقدم و ترقی میں اعتدال
(ح) قوت مقاومت۔ یعنی غلط کاروں کے مقابلہ کا حوصلہ اور تادیبی کارروائیوں کو عمل میں لانا۔

(الف)

ایک دوسرے کا احترام

اس اصول کے لئے جامۂ عمل تیار کیجئے اور دیکھئے کہ آپ کے فرائض کیا ہوتے ہیں۔ یعنی کن باتوں کا کرنا اور کن باتوں سے بچنا آپ پر لازم ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم انہیں فرائض کو شمار کرتا ہے۔

۱۔ کسی کو حقارت سے مت دیکھو۔
کسی کا مذاق نہ بناؤ۔
کسی پر طعن نہ کرو۔
توہین آمیز نام نہ رکھو۔

قال اللہ تعالیٰ یا ایھا الذین اٰمنوا لا یسخر قوم الآیۃ

ارشاد ربانی کا ترجمہ یہ ہے:۔

اے ایمان والو!۔ ایک قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے (مذاق نہ بنائے) عجب نہیں وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے ٹھٹھا کریں (مذاق نہ بنائیں) بعید نہیں وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ طعنے دو (عیب لگاؤ) ایک دوسرے کو (جن کی شخصیت خود تمہاری شخصیت ہے) نہ ایک دوسرے کے چڑکے نام (برے لقب) ڈالو۔ یہ تمام باتیں فسق۔ اور گناہ ہیں۔ صاحب ایمان کے لئے فسق کا نام آنا بھی بہت برا ہے اور جو باز نہ آئیں (توبہ نہ کریں) وہی ہیں ظالم (آیت ۱۱ سورہ حجرات پ ۲۶)

مسلمان ہندوستان میں ہندوستانی کی حیثیت سے رونما ہوئے تو یہاں کے پرانے مزاج سے وہ بھی متاثر تھے۔ مغلوں نے یا ان کے پیش روپٹھانوں

نے الفاظ کی حد تک ان کا احترام کیا جو یہاں نیچ مانے جاتے تھے۔ یعنی بھنگی یا چوڑھے کے بجائے ان کے لئے مہتر۔ نام تجویز کیا جس کے معنی ہیں بہت بڑا لیکن جب عمل کا وقت آیا تو اسلامی تعلیم بھول گئے۔

قرآن حکیم نے آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو بلا لحاظ رنگ و نسل و بلالحاظِ ملک و وطن قابلِ تعظیم قرار دیا ہے ولقد کرمنا بنی آدم۔

(سورہ بنی اسرائیل)

فقہائے اسلام نے ہر ایک انسان کے جھوٹے کو پاک بتایا ہے۔ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ برہمن ہو یا شودر۔ مگر ہم نے برہمن اور شودر میں فرق کر دیا۔

مغل اعظم (اکبر) نے جب ہندوستان کو قومیت متحدہ کا گہوارہ بنانا چاہا۔ تو زندگی کی رفاقت اور حرم شاہی کی رونق کے لئے اس کی نظر انہیں پر پڑی جو اپنا رشتہ سورج اور چاند سے جوڑے ہوئے تھے۔ اور خود اپنی زبان سے اپنے آپ کو (ابنار الملوک) (راجپوت) کہتے تھے۔ کیونکہ سیاست کا تقاضا یہی تھا۔ کاش قرآنی تعلیم کے بموجب انسانیت کے تقاضوں کو پورا کیا جاتا تو ایک تہائی کے قریب ہندوستانی مخلوق۔ ذلت کی زندگی سے نجات پا جاتی۔ اور اس ہندوستان میں اقلیت و اکثریت کے مفہوم ہی سے کوئی آشنا نہ ہوتا۔

بنگال میں علمار اور مشائخ رحمہم اللہ نے کسی حد تک اسلامی تعلیم کو جامۂ عمل پہنایا تو وہاں اقلیت اکثریت بن گئی۔ سندھ تک کچھ ایسے مسلمان آئے

تھے جو اسلامی تعلیم کا نمونہ تھے۔ ان کی ایک ہی جھلک نے پورے سندھ کی کایا پلٹ دی۔ یہاں تک کہ اہل سندھ کا رسم الخط بدل گیا۔ سندھی بولنے والوں پر ہندی ٹھونسی جا رہی ہے۔ مگر ان کی مادری زبان (سندھی) اب تک عربی حروف اور عربی رسم الخط کی عادی ہے کیوں کہ عرب جو تیرہ سو برس پہلے یہاں آئے تھے انھوں نے اخوت اور مساوات کی وہ حسین تصویر پیش کی تھی جس پر اہل سندھ نے اپنی تہذیب اپنا کلچر اور زیادہ تر نے اپنا مذہب بھی قربان کر دیا تھا۔

عرب۔ جن کو اپنی زبان اور اپنی تہذیب پر اتنا ناز تھا کہ تمام دنیا کو "عجم" کہا کرتے تھے۔ یعنی جو لفظ (اعجم) مویشی اور جانوروں کے لئے استعمال کیا کرتے تھے۔ وہی لفظ اپنے سوا تمام دنیا کے انسانوں کے لئے انھوں نے تجویز کر رکھا تھا۔ جب اسلام نے اخوت اور مساوات کا درس دیا تو ان کا آغوش اتنا وسیع ہو گیا کہ عجم کا جو شخص بھی ان کی طرف بڑھتا تھا وہ نہ صرف اس کو اپنے قبیلہ کا فرد بنا لیتے تھے بلکہ اگر اس میں قابلیت کا جوہر ہوتا تو اس کو اپنے سر کا تاج بنا لیتے تھے۔ آج جن کے علم و فضل سے پوری دنیا ر اسلام متاثر ہے (امام ابو حنیفہ اور امام بخاری) یہ دونوں عجمی ہی تھے۔ امام ابو حنیفہ کے دادا زوطی نے (جن کا اسلامی نام نعمان رکھا گیا) مسلمان ہونے کے بعد عرب کے قبیلۂ تیم سے تعاون باہمی کا معاہدہ (عقد موالات) کر لیا تیمی ہو گئے۔ بُرْدِزْبہ۔ علاقہ بخارا کے ایک مجوسی زمیندار تھے۔ ان کے لڑکے (مغیرہ)

حاکم بخارا "یمان" کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ یمان عرب تھے۔ اپنے قبیلہ کی نسبت سے جعفی کہلاتے تھے۔ مغیرہ بھی جعفی کہلانے لگے۔ ان کے پڑپوتے امام بخاری ہیں (ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن المغیرۃ بن بردزبہ) یہ اسی بنا پر جعفی کہلاتے ہیں۔

امام حدیث، ابن ماجہ بھی اسی تعلق کی بنا پر ربعی کہلاتے ہیں۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا

ایک شخص کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہے تو اس کا تعلق اس کے ساتھ کیا ہونا چاہئے؟

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا

ھو اولی الناس بمحیاہ ومماتہ۔

(ابوداؤد کتاب الفرائض)

یعنی اس کے مرنے جینے کا ساتھی ہے۔ اس مسلمان کرنیوالے کا تعلق اس کے ساتھ سب سے زیادہ ہونا چاہئے۔

مسلمانوں نے اس ارشاد گرامی پر اس طرح عمل کیا کہ ایسے نومسلموں کو اپنے قبیلے کا فرد بنالیا۔ اور صرف امام ابوحنیفہ اور امام بخاری ہی نہیں بلکہ عجیب وغریب بات یہ ہے کہ حضرت صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے بعد جن کو علم وفضل کے عرش معلیٰ پر جلوہ گر پایا گیا وہ سب عجمی تھے۔ اور ان میں زیادہ وہ تھے جو خود غلام تھے جن کو صحابہ کرام نے آزاد کر کے اپنی اولاد کی طرح تربیت

دی تھی یا ایسے آزاد کردہ غلاموں کی اولاد تھے۔ ان کو موالی کہا جاتا تھا۔
(مولیٰ کی جمع)

اموی خلیفہ ھشام بن عبد الملک (متوفی ۱۲۵ھ ۷۴۲ء) نے ایک مرتبہ اپنے مملکت کے تمام علمی مرکزوں کا جائزہ لیا کہ کہاں عجمی علماء کے علم و فضل کا آفتاب چمک رہا ہے اور کہاں عربی علماء ضیاء ریاش ہیں تو اس کے سامنے یہ تفصیل پیش کی گئی۔

مکہ معظمہ کے جلیل القدر علماء و فقہاء (۱) عطاء بن ابی رباح
(۲) مجاہد
(۳) سعید بن جبیر
(۴) سلیمان بن یسار

مدینہ منورہ " " " (۱) زید بن اسلم
(۲) محمد بن المنکدر
(۳) نافع بن ابی نجیح

قبا " " " (۱) ربیع الرائی
(۲) ابن ابی الزناد

عراق " " " (۱) حسن بن ابی الحسن
(۲) محمد بن سیرین

یمن " " " (۱) طاؤس بن کیسان

(۲) ابن طاؤس

(۳) ابن منبہ

خراسان " " " (۱) عطاء بن عبداللہ الخراسانی

شام " " " (۱) مکحول

کوفہ " " " (۱) الحکم بن عتیبہ

(۲) حماد بن ابی سلیمان

(۳) ابراہیم نخعی

(۴) شعبی (رحمہم اللہ)

(العقد الفرید لاحمد بن عبد ربہ)

ان مرکزوں کے جلیل القدر فقہاء اور علماء جن کی عظمت کے سامنے سب کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں۔ یہ بیس حضرات تھے۔ قابل تذکرہ بات یہ ہے کہ ان میں صرف آخری دو بزرگ ابراہیم نخعی اور شعبی (رحمہما اللہ) عرب تھے۔ باقی سب عجمی۔ موالی۔ یعنی آزاد کردہ غلام یا ایسے غلاموں کے اخلاف صالحین

(رحمہم اللہ و رضی عنہم)

دلوں کی صفائی

دلوں کی صفائی یہ نہیں ہے کہ آپ پرتکلف دعوت کردیں شاندار

استقبال اور میل ملاپ کے کامیاب جلسے بھی دلوں کو صاف نہیں کرتے۔

خود ہندوستان کی تاریخ بہت سی مثالیں پیش کر سکتی ہے کہ پر تکلف کھانے میں زہر ملا دیا گیا۔ جس کا استقبال کیا جا رہا تھا۔ جب اس کا ہاتھی شہر پناہ کے پھاٹک میں داخل ہونے لگا تو چھجہ گر اکر معزز مہمان کو ہلاک کر دیا گیا۔ ایک بادشاہ نے باپ کے استقبال کے لئے جو محل بنایا تھا۔ جب باپ وہاں رونق افروز ہوا تو پورا محل قدم بوس ہوگیا۔ نہ باپ رہا۔ نہ باپ کی بادشاہت رہی بغلگیر ہونے کے وقت خنجر پار کر دینے کا قصہ کچھ عرصہ پہلے تک چھٹی یا ساتویں کلاس کے بچوں کو پڑھایا جایا کرتا تھا۔ غرض یہ باتیں دلوں کو صاف نہیں کرتیں۔ نہ دلوں کی صفائی کی صحیح علامتیں ہیں تقریباً یہی حال ان کمیٹیوں اور سوسائیٹیوں کا بھی ہے۔ جو تعاون اور امداد باہمی کے لئے بنائی جاتی ہیں۔

اس سے انکار نہیں ہے کہ امداد باہمی کی کمیٹیاں جمہور کو بہت اونچا اٹھا سکتی ہیں۔ مسلمان قرآن شریف میں وہ آیت بھی پڑھتے ہیں جس سے ان کمیٹیوں کی تائید ہوتی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے

"اچھی بات۔ نیکی اور تقوی کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ گناہ اور ظلم و سرکشی کے کام میں کسی کی مدد نہ کرو۔"

(سورہ مائدہ ۵ آیت ۲)

مگر کیا ان کمیٹیوں سے خود مسلمانوں کے دلوں کی کدورت دور ہو جاتی ہے کہ دوسری قوموں کی دلوں کی صفائی کا یقین کیا جاسکے۔ اور کیا ان سے وہ یک جہتی اور جذبات کی ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو جمہوری نظام کو گلدستہ بنا سکے۔؟

قرآن حکیم نے جب اخوت اور مساوات کی تعلیم دیتے ہوئے جمہوری نظام کی طرف اشارہ کیا تو ان چیزوں میں سے کسی ایک بات کی بھی ہدایت نہیں کی۔ کیونکہ یہ تمام باتیں نمائشی ہیں حقیقت نہیں ہیں۔ البتہ قرآن حکیم نے ان امراض کو ختم کرنے کی ہدائیت بلکہ بڑی شدت سے تاکید کی ہے۔ جو دلوں کی کھوٹ سے پیدا ہوتے ہیں۔

دلوں کا کھوٹ۔ نظر آنے کی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اکثریت ایسے انسانوں کی ہے جن کو خود اپنے دل کے کھوٹ کا پتہ بھی نہیں چلتا ہر ایک انسان اپنے دل کو پاک و صاف ہی سمجھتا ہے اور بڑے فخر سے دعویٰ کرتا ہے ؎

آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن
کفرست در شریعت ما کینہ در سینہ داشتن

جب اپنے دل کے کھوٹ کا پتہ نہیں تو دوسر دل کے دلوں کا کھوٹ کیسے نظر آسکتا ہے۔ البتہ وہ امراض جو دلوں کی کھوٹ سے پیدا ہوتے ہیں اور بعنوان دیگر دلوں کے کھوٹ سے جو عمل قدرتی طور پر وجود پذیر ہوتے ہیں وہ بیشک محسوس ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے انہیں محسوسات کو لے کر اصلاح کی ہدایت فرمائی ہے۔ اور مقصد یہ ہے کہ جب یہ محسوس امراض

ختم کئے جائیں گے تو دل بھی صاف ہو جائیں گے۔ اور اگر بالفرض دل صاف بھی نہ ہوں تو ان کے کھوٹ کا اثر متعدی نہیں ہوگا اور وہ سوسائٹی کو خراب نہیں کر سکے گا۔

مثلاً دل کا کھوٹ یہ ہے کہ وہ تنگ ہو۔ اس میں یہ وسعت اور گنجائش نہ ہو کہ دوسرے کی ترقی سے وہ خوش ہو یا دوسرے کیلئے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لئے چاہتا ہے اور جو اپنے لئے نہیں چاہتا وہ دوسرے کے لئے بھی نہ چاہے۔ اگر حقوق کا معاملہ ہے تو دوسروں کو بھی اتنا ہی مستحق سمجھنا چاہیئے جتنا خود کو سمجھتا ہے۔ اگر یہ احساس دوسرے کے لئے نہیں ہوتا تو وہ دل کی تنگی ہے۔ اس تنگ دلی کو پست حوصلگی، تنگ نظری کوتاہ ظرفی سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس کا پہلا عمل یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کی ترقی برداشت نہیں ہوتی بلکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ مساوات بھی برداشت نہیں کی جاتی۔ وہ خود اگرچہ خوش حال ہے۔ مگر دوسرے کی خوش حالی سے اسے جلن ہوتی ہے، یعنی وہ یہ نہیں دیکھ سکتا کہ جس درجہ کی دکان اس کی چل رہی ہے اس درجہ کی دوکان دوسرے کی بھی چلے۔ اس کو عربی میں "حسد" کہتے ہیں۔ تنگ دلی اور کوتاہ ظرفی کا پہلا اثر حسد ہے جو بلا وجہ دوسرے سے کدورت پیدا کر دیتا ہے۔ دل کا یہ تکدر خیالات کو بھی خراب کر دیتا ہے اور دوسرے کے متعلق اچھے گمان کے بجائے بدگمانی رکھنے لگتا ہے۔ ملک یا ملت کی خدمت دوسرے نے اس سے بہتر کی ہے۔ مگر چونکہ اس کے دل میں کھوٹ ہے

وہ اس کی قربانی اور قابل قدر خدمات کو کسی غرض پر محمول کرتا ہے۔
یہ بدگمانی اس کو قریب کرنے کی بجائے زیادہ بعید کر دیتی ہے۔ وہ پسند نہیں
کرتا کہ اس وفادار خادم ملک ملت کی تعریف کی جائے۔ اگر اس کو اس
وفادار کی کسی کمزوری کا علم ہوتا ہے تو وہ اس کو پھیلاتا ہے۔ چونکہ خود
اس کے دل میں کھوٹ ہے تو یہ ہمت نہیں ہوتی کہ اس کمزوری کی شکایت
برملا خود اس سے کرے بلکہ اس کی پیٹھ پیچھے دوسروں سے اس کی کمزوری
بیان کرتا ہے۔ اور اس طرح ان کی نظروں سے اس کو گرانے کی کوشش
کرتا ہے۔ اگر کسی کمزوری کا اس کو علم نہیں ہوتا تو وہ اس کی ٹوہ اور جستجو
رکھتا ہے کہ کوئی کمزوری اس کو معلوم ہو جائے۔ اس میں وہ عموماً کامیاب
ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سماج اور معاشرہ کا بڑے سے بڑا انسان بھی کمزوری
سے خالی نہیں ہوتا۔ وہ اس بڑے انسان کی کمزوری کو اچھالتا ہے
مگر اس طرح وہ صرف اس انسان پر نہیں بلکہ پورے سماج پر ظلم کرتا ہے
کہ اس کو قائد کی قیادت سے محروم کر دیتا ہے۔ کیونکہ سوسائٹی جس کو اپنا
رہنما مانتی تھی جب اس کی کمزوری اس کے سامنے آئے گی تو لامحالہ
اس کی عظمت جماعت اور سوسائٹی کی نظر میں کم ہو جائے گی اور اس
رہنما کی بات میں وزن نہیں رہے گا تو اس کی رہنمائی اور قیادت میں
زوال آجائیگا لیکن یہ زوال صرف اس کے حق میں نہیں ہوگا بلکہ یہ پوری
سوسائٹی زوال پذیر ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ قائد سے محروم ہو جائیگی
اور اس طرح بجائے منظم و متحد ہونے کے وہ منتشر ہو جائے گی۔ پس ایک

دل کی بیماری سے سارے دل بیمار ہو جائیں گے۔

خیالات کی یہ خرابی (جس کا سلسلہ سوسائٹی یا قوم کے انتشار تک پہنچتا ہے) جس طرح تنگ دلی اور حسد کے سبب ہوتی ہے۔ کبھی غصہ کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً

ایک انسان تنگ دل اور پست حوصلہ نہیں ہے اس کا ظرف وسیع ہے لیکن وہ کسی وجہ سے کسی شخص سے ناراض ہے تو وہ اس کے متعلق اچھے خیالات نہیں رکھتا۔ اور بسا اوقات غصہ کے سبب سے اچھے خیالات بھی ں سے بدل جاتے ہیں۔ وہ اس کی برائیاں تلاش کرتا ہے اور ان کو اتا ہے۔ اگر وہ خود نہیں پھیلاتا تو وہ ہر ایسے سلسلہ سے خوش ہوتا ہے کہ اس کی برائیوں اور خرابیوں کی اشاعت ہو۔ مجلس میں وہ خود ہیں کرتا لیکن اگر کوئی غیبت کرے تو وہ بڑی دلچسپی سے سنتا ہے اس کے دل کو ٹھنڈک پہنچتی ہے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص وسیع الظرف ہے۔ مگر اس کے مزاج ی ہے۔ وہ تنگ دل نہیں ہے مگر خود بین اور متکبر ہے۔ وہ اپنے سے کو نہیں سمجھتا۔ اس لئے کسی بڑے کی بڑائی نظر میں نہیں لاتا۔ اور ت یا معاشرہ کسی کو بڑا مانتا ہے تو اس کی بڑائی کو ختم کرنے لئے اس کی کمزوری تلاش کرتا ہے۔

بڑی بات یہ ہے کہ بسا اوقات بدگمانی کرنے والے کو پتہ نہیں چلتا کہ اس کا یہ گمان غلط ہے۔ کیوں کہ اس کے دل کا شیطان یعنی حسد

یا غصہ یا تکبر غلطی کا احساس ہی نہیں ہونے دیتا۔ یہ حسد اس غلط بات کو قابل قبول شکل میں پیش کرتا ہے اور یہ حسد رکھنے والا اس کو مان لیتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ نے اس موقع پر ایک نہایت لطیف علاج بیان فرمایا ہے۔ امام موصوف فرماتے ہیں کہ

قرآن حکیم کی ہدایت ہے کہ

جب کوئی فاسق خبر لائے تو پوری طرح اس کی چھان بین کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ بلا تحقیق کوئی ایسا قدم اٹھالو کہ بعد میں پچھتانا اور نادم ہونا پڑے

(سورہ حجرات)

امام صاحب فرماتے ہیں کہ دل کا شیطان جو خیال پیدا کر رہا ہے یہ بھی فاسق ہے، اس نے جو خبر دی ہے یعنی جو خیال دل میں ڈالا ہے اسکی تحقیق کرو۔ اور جب تک تحقیق و تصدیق نہ ہو جائے کوئی بات زبان سے نہ نکالو۔ نہ دل ہی میں کوئی بات جماؤ۔ خیالات کا یہ سلسلہ جس کی تفصیل بیان کی گئی ہے کسی مشاہدہ کی بنا پر نہیں ہے بلکہ دل کی کھوٹ کی بنا پر ہے لہٰذا یہ تمام سلسلہ کھوٹا رہے گا جس کو شریعت کی زبان میں اثم اور گناہ کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ سلسلہ اگر کسی مشاہدہ کی بنا پر ہو تو اس کو گناہ نہیں کہا جاتا بلکہ اس وقت بدگمانی نہ کرنا کوتاہی اور ناعاقبت اندیشی ہوگا مثلاً،

ایک شخص احکام شریعت کا پابند نہیں ہے وہ ریش تراشیدہ ہے اس کی وضع قطع احکام شریعت کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق اگر آپ یہ گمان کرلیں کہ جو شخص وضع قطع میں احکام شریعت کا پابند نہیں ہے۔ اور شریعت کی ہدایت کو پامال کر رہا ہے۔ وہ شہادت کے سلسلہ میں بھی پابند شریعت نہیں ہوگا۔ اور اس بنا پر آپ اُس کی شہادت تسلیم نہ کریں... تو آپ حق بجانب ہوں گے اور آپ کی یہ قیاس آرائی صحیح ہوگی۔

قرآن حکیم نے انسانی برادری کی تعلیم دی تو دلوں کی صفائی کو ضروری قرار دیا مگر اس کے لئے یہ عنوان اختیار نہیں کیا کہ دلوں کو صاف کرو۔ جذبات کو ہم آہنگ کرو۔ نظریات کو متحد کرو۔ بلکہ ان امراض کو زائل کرنے کی ہدایت فرمائی ہے جو دل کے کھوٹ سے پیدا ہوتے ہیں اور اندر کے چور کا پتہ دیتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

بہت زیادہ قیاس آرائی اور گمان قائم کرنے سے اجتناب کرو۔ کیونکہ بعض (مرتبہ) قیاس آرائی اور گمان کی پرورش گناہ ہوتی ہے (جس کا محرک دل کا کھوٹ اور اندر کا غبار ہو) اور بھید نہ ٹٹولو۔ اور برا نہ کہو۔ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تمہیں اس سے گھن آتا ہے۔

یہ سورہ حجرات کی آیت نمبر ۱۲ کا مضمون ہے۔ اس کے بعد نمبر ۱۳ میں مساوات اخوت انسانی کی تعلیم دی گئی ہے کہ

اے آدمیو! — ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمتہ اللہ کے الفاظ ہیں ہم نے بنایا تم کو

ایک نر اور مادہ سے

پوری آیت کا ترجمہ پہلے گذر چکا ہے۔

مختصر یہ کہ دلوں کی صفائی کی عملی صورت یہ ہے کہ

(۱) ایک دوسرے کا احترام کیا جائے (سامنے بھی اور پیٹھ پیچھے بھی) یعنی کسی برادری یا خاندان کا مذاق نہ اڑایا جائے۔

(۲) ایسا نام نہ ڈالا جائے جس سے اس کے جذبات کو ٹھیس لگے۔ اور وہ اس میں اپنی توہین محسوس کرے۔

(۳) کسی معقول ثبوت کے بغیر کسی کے متعلق بدگمانی نہ کی جائے۔ گندے خیالات نہ دوڑائے جائیں۔ کسی کی کمزوری کی ٹوہ نہ رکھی جائے۔ جو کچھ کہنا ہو منھ پہ کہا جائے۔ پیٹھ پیچھے برائی نہ کی جائے۔

اگر یہ باتیں ہمارے مجلسی آداب میں سموجائیں تو ہمارا معاشرہ اور سماج ٹھیک ہوجائے گا اور جب قوم کے معاشرے درست ہوں گے تو صالح جمہوریت جلوہ فرما ہوگی۔

عجیب بات یہ ہے کہ جس سورت کی تیرھویں آیت میں انسانی برادری

اور مساوات کی تعلیم دے کر صالح جمہوریت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے
اس کی سب سے پہلی آیت کا مفہوم یہ ہے ۔

اے ایمان والو! آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اس کے
رسول سے اور ڈرتے رہو اللہ سے۔

یعنی تقدم اور ترقی تو ایک فطری جذبہ ہے۔ بچہ گہوارے کی زندگی میں بھی چاہتا ہے کہ ساری دنیا اس کی تابع فرمان رہے۔ کوئی بات اپنی مرضی کے خلاف دیکھتا ہے تو چیختا ہے اور چلانا شروع کر دیتا ہے۔ کچھ ہوش آتا ہے تو فطری شوق کی چیز یعنی کھیل کود میں سب سے آگے رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے لئے سب سے زیادہ دلچسپ لفظ "میری" ہوتا ہے (سابق۔ آگے بڑھا ہوا) اور پھسڈی (پیچھے رہنے والا) کے لفظ سے اس کو نفرت ہوتی ہے۔

قرآن حکیم نے اس فطری جذبہ کی تعلیم ضروری نہیں سمجھی۔ کیونکہ دوڑنے والے سے یہ کہنا بیکار ہے کہ "دوڑو"۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسانیت سے چلو، سیدھے چلو، سنبھل کر چلو۔ لہٰذا قرآن حکیم ترقی پذیر اور جذبہ تقدم سے سرشار "جمہوریہ" کو یہ ہدایت کر رہا ہے کہ جذبۂ ترقی میں اعتدال رکھو۔

اعتدال یہ ہے کہ قانون کی حدود سے آگے نہ بڑھو۔ انسانوں کی ترقی کے ساتھ انسانیت کی بھی ترقی ہونی چاہیئے۔ ورنہ انسان، انسان

نہ رہیں گے۔ جنگل کے وحشی بن جائیں گے۔ انسانیت یہ ہے کہ ہر بات میں سنجیدگی ہو۔ ادب ہو۔ واجب الاحترام کا احترام ہو۔ خدا کا خوف دل میں ہو۔

نوجوانوں میں جذبۂ ترقی بہت مبارک ہے۔ ترقی کا جذبہ نہ ہو تو دنیا کی رونق ختم ہو جائے۔ لیکن اگر ترقی کا مقصد تعمیر ہے تو اعتدال اور سنجیدگی ضروری ہے۔ اگر نوجوانوں کا جذبۂ ترقی نظم و ضبط۔ ادب اور اخلاق کا متحمل نہیں ہے تو وہ تعمیر کی بنیاد نہیں رکھ رہے ہیں بلکہ بربادی، تباہی، پستی اور ذلت خواری کی رسیاں پکڑ کر اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور مستقبل کو تاریک کر رہے ہیں۔

صالح جمہوریت وہی ہے جس کی پیشانی انسانیت اور شرافت کے جھومر سے آراستہ ہو۔

افراد کی تحقیق، قوت مقاومت اور حوصلہ تادیب

جمہوریہ کی تشکیل اور تعمیر جمہور سے ہوتی ہے۔ جمہور ہی اس کا آب و گل ہیں اور جمہور ہی اس کا قوام ہوتے ہیں تو اس کی اصلاح و ترقی کسی ایک فرد یا چند افراد کی جد و جہد سے نہیں ہو سکتی۔ پورے جمہور ورنہ جمہور کی غالب اکثریت میں قوت عمل ضروری ہے۔

اگر آپ ملک و ملت کے خیر خواہ ہیں آپ انسانیت اور شرافت کے آرزومند ہیں۔ آپ اگر امن اور اطمینان کی فضا دیکھنا چاہتے ہیں تو خود آپ میں بھی عمل کی قوت اور قربانی کا جذبہ ضروری ہے۔

بلاشبہہ قوم کے تمام افراد یکساں نہیں ہو سکتے۔ بہت سے وہ بھی

ہوتے ہیں جو انسانیت شرافت اخلاق اور دیانت کے الفاظ کو بے معنی سمجھتے ہیں۔ وہ اپنی اغراض اور اپنے مفادات ہی کو سب سے بڑی شرافت اور اعلیٰ ترین دیانت سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی افراد اگر اجتماعی صورت اختیار کر لیتے ہیں تو ایک باغی جماعت اپنا پرچم لہرانے لگتی ہے۔ اس وقت آپکی خاموشی حرام ہے۔ امن پسندی کے بہانے آپ کا بے حس و حرکت رہنا، امن پسندی نہیں ہے۔ بلکہ بزدلی ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ کمر باندھ کر اٹھیں اور اس باغی اور غلط کار جماعت کے ہاتھ سے جھنڈا چھین لیں۔ اگر یہ باغی جماعت، اصلاح نہیں قبول کرتی تو آپ تادیبی کارروائی کریں۔ ضرورت پیش آئے تو آپ قوت سے کام لیں۔ جس طرح سے وہ غلط کار اکٹھے اور منظم ہو گئے ہیں، آپ کی صداقت اور استقامت یہ ہے کہ جن کو آپ صحیح سمجھتے ہیں انکی مدد کریں اور اگر اس امداد میں کسی قربانی کی ضرورت ہو تو اس سے بھی دریغ نہ کریں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ آپ کا جو بھی اقدام ہو وہ حقیقت کی بنیاد پر ہو۔ افواہیں چنگاریوں کا کام کرتی ہیں۔ "صالح جماعت" کا کام ہے کہ وہ افواہ کو مشعل راہ نہ بنائے۔ افواہ کے علاوہ کسی شخص کی بات بھی اس وقت تک، قابل وثوق نہ سمجھنی چاہئے جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ خود وہ شخص قابل وثوق ہے جو خبر دے رہا ہے

قرآن پاک کی اس سورت میں جس میں صالح جمہوریت کے خد و خال کی طرف اشارے کئے گئے ہیں۔ مقاومت اور مقابلہ اور تادیب کی بھی تعلیم دی گئی ہے سب سے پہلے ہدایت یہ ہے۔

ایسا شخص جو قابل اعتماد نہیں ہے۔ اگر کوئی خبر لیکر آئے تو
پوری طرح چھان بین کرلو۔ ایسا نہ ہو تم بلا تحقیق و تفتیش کوئی قدم
اٹھالو جو سراسر جہالت ہو پھر نتیجہ یہ ہو کہ تم کو نادم ہونا اور پچھتانا
پڑے (آیت ۶)

اس کے بعد دوسری ہدایت یہ ہے:

اگر اس جماعت کے (جو ایک ہی دستور کو تسلیم کرنیوالی اور
ایک ہی قانون کو ماننے والی ہے (مومنین کی جماعت ہے) اگر وہ
آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو (حضرت شاہ عبدالقادرؒ
کے الفاظ میں "ملاپ" کرادو) اگر اس جدوجہد میں کامیابی نہ ہو،
ایک گروہ (پارٹی) دوسرے پر زیادتی کرے تو سب مل کر
اس گروہ سے جنگ کرو جو زیادتی کر رہا ہے (یہاں تک کہ یہ
خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے۔) پھر اگر رجوع ہو جائے
تو ان دونوں کے درمیان ملاپ کرا دو۔ عدل کے ساتھ اور
انصاف سے کام لو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست
رکھتا ہے۔ (آیت ۹)

موجودہ جمہوریت اور اسلامی جمہوریت میں فرق

معیار انتخاب

صالح جمہوریت کے آداب اور شرائط بیان کردیئے گئے جو ان

آداب و شرائط پر پوری احتیاط سے عمل کرے۔ اسکو متقی کہا جاتا ہے۔ معیار انتخاب یہ ہے کہ اس کو منتخب کیا جائے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ اب یہ کہ طریقہ انتخاب کیا ہو یہ انتخاب کرنے والوں کے سپرد ہے قرآن حکیم نے کوئی پابندی نہیں لگائی (واللہ اعلم بالصواب)

ضروری تنبیہ

آخر میں یہ تنبیہ کرنا ضروری ہے کہ موجودہ دور میں جس کو جمہوریت کہا جاتا ہے اسلامی تعلیم کو اس پر منطبق کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ ایک طرح کی تحریف ہے۔ دور حاضر کی جمہوریت اور اسلامی تعلیمات میں بنیادی اختلاف ہے۔

موجودہ جمہوریت کی تخمین اور تعریف یہ ہے کہ ہر ایک بالغ کی آزادانہ رائے سے اس کی تشکیل ہوتی ہے اور اسی بنیاد پر اس کا دستور مرتب ہوتا ہے اور یہی روح اس کے ہر ایک قانون میں کار فرما ہوتی ہے۔

بس ایسے ملک میں جہاں مختلف فرقے اور مختلف مذہبوں کو ماننے والے آباد ہوں۔ لازمی ہوگا کہ حکومت کا کوئی مذہب نہ ہو۔ یعنی حکومت لادینی ہو۔ اور اگر ایک ہی مذہب کے ماننے والے ہوں، تب بھی دور حاضر کی جمہوریت میں دستور اساسی جمہور کا وضع کردہ اور منظور کردہ ہوگا۔

وضع دستور اور قانون سازی

ہمارے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں جب ہمیں باور کرایا جاتا ہے کہ ہم پر وہی قانون نافذ ہوگا جس کو ہم وضع کریں گے۔ اور یہ کہ ہمارا حاکم کوئی نہ ہوگا ہم اپنے حاکم خود ہوں گے اور کارپردازان حکومت، جن کو حاکم اور افسر کہا

جاتا ہے، وہ ہمارے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ لیکن اگر واقعات کی عینک لگا کر ان دعووں پر نظر ڈالی جائے تو ہمارا مشاہدہ شہادت دیگا کہ ان سے زیادہ کھوکھلا بے مغز اور بے حقیقت دعوے دار دنیا میں شائد کوئی اور نہ ہو۔

بھارت کا دستور اساسی بلاشبہ ایک جمہوری دستور ہے اور بظاہر یہ دعویٰ بھی صحیح ہے کہ جمہوریت نواز دنیا کا سب سے بہتر دستور ہے۔ لیکن کیا اس کو جمہور نے وضع کیا۔؟ کیا جمہور کے نمائندوں نے وضع کیا؟ دعوے کی حد تک سب کچھ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسکے مصنف ڈاکٹر امبیدکر اور ان کے دو تین مشیر ہیں۔ بیشک دستور ساز اسمبلی (کانسٹی ٹیوشن اسمبلی میں) اس کی ایک ایک دفعہ پڑھی گئی اور منظور کی گئی۔ مگر کیا اسمبلی کے ہر رکن میں وہی قابلیت تھی۔ کیا اس نے دفعہ کی ترتیب وتصنیف میں وہی دلچسپی لی اتنا ہی غور کیا جتنا ڈاکٹر امبیدکر اور ان کے ایک دو مشیروں نے کیا تھا اگر ایسا ہوتا تو دستور کی ترتیب وتصنیف کے لئے ایک شخص کو یا چند افراد کو منتخب نہ کیا جاتا۔ پھر انتخاب کے معنی یہ ہیں کہ جملہ ارکان نے اعتماد کرلیا اور وہ مطمئن ہوگئے کہ جو کچھ یہ منتخب فرد یا افراد مرتب کریں گے وہ صحیح ہوگا۔ صرف جزوی ترمیمات کی ضرورت ہوگی۔

مختصر یہ کہ ہمارا دعویٰ خواہ کچھ ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ جس دستور کو ہم جمہوری سمجھتے ہیں اس کو جمہور نے وضع کرکے افراد پر نافذ نہیں کیا

بلکہ چند افراد نے وضع کر کے جمہور پر نافذ کیا ہے۔ اور جمہور نے اپنے غور و فکر، تحقیق و تنقید، بحث و تفتیش اور فیصلہ کی باگ دوڑ ان چند افراد یا فرد کے ہاتھ میں دیدی ہے۔

اسلام اس فریب نظر، اور اس طلسم کو برداشت نہیں کرتا۔ اسلام کہتا ہے کہ فیصلہ کی باگ دوڑ اگر کسی کو دینی ہے۔ اور اپنے قانون کا کسی کو خالق بنانا ہے تو اس کو بناؤ جو فی الحقیقت خالق ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ کالے اور گورے، ادنیٰ اور اعلیٰ ہر ایک کو پیدا کیا۔ جس نے مختلف رنگ و نسل اور مختلف الخیال انسانوں کو پیدا کیا ان کے مختلف دل بنائے، ان میں جذبات پیدا کئے ان کے رجحانات اور جذبات میں اختلاف پیدا کیا! "کہ گلہائے رنگ برنگ سے ہے۔ رونق چمن" بلاشبہ وہی ہے جذبات کو جاننے والا۔ ضرورتوں کو پہچاننے والا اور ان کو صحیح معیار پر پرکھنے والا۔ پس دستور اساسی بنانا انہی کا کام ہے اسلام جس جمہوریہ کی تعلیم دیتا ہے اس کا دستور اساسی مرتب کرنے کے لیے عوام کو زحمت نہیں دیتا۔ نہ ماہرین قانون کو اس آزمائش میں ڈالتا ہے کہ وہ بنیادی دستور اور کانسٹی ٹیوشن وضع کریں۔

مساوات اور اخوت انسانی اگر اس کو برداشت نہیں کر سکتی کہ ایک انسان حاکم اور دوسرا محکوم ہو۔ ایک کے سر پر تاج اقتدار اور دوسرا اس کے قدموں میں پامال ہو تو وہ اس ناہمواری کو بھی جائز نہیں قرار دے سکتی کہ ایک واضع قانون ہو اور دوسرا رہین قانون اور اس کی

بندش میں جکڑا ہوا ہو۔ تقاضا مساوات یہ ہے کہ یہ حق صرف اس کو ہو جس نے پوری نوع انسان کو ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا۔ اور گوت برادری اور قبیلے صرف اس لئے بنتا ہیے کہ پہچاننے میں دشواری نہ ہو۔

ترقی پذیر دنیا کے حالات اور تقاضے یقیناً مختلف ہوں گے ان تغیرات اور تبدیلیوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اس بنار پر اس مکمل دستور اساسی سے اخذ و استنباط کا حق دیا جاتا ہے۔ مگر اس حق کے حق دار صرف وہی ہو سکتے ہیں جو دستور اساسی کے ماہر اور اس کی بنیادی دفعات کے منشار کو سمجھنے والے اور اس کے اشاروں کو پہچاننے والے ہوں عوام کی اکثریت کو یہ حق حاصل نہیں ہو سکتا

او خود گم ست کرا رہبری کند

شہنشاہیت اور جمہوریت

نفاذ دستور

ملوکیت۔ شہنشاہیت۔ شخصی حکومت اور نادر شاہی۔ نفرت انگیز عنوانات ہیں۔ کیوں کہ ان کی حقیقت یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ ایک فرد "شاہ" (بہت سے بہت "شاہ اور اس کے خصوصی مشیروں") کی مملوکہ باندی اور ان کی من مانی کارروائیوں کے لئے کھلونا بن جاتا

ہے۔ اس لئے ہم جمہوریت کو پسند کرتے ہیں کہ اس میں اقتدار اعلیٰ جمہور کا حق ہوتا ہے۔

لیکن ہم اس جادو کے کنوئیں میں جھانک کر دیکھتے ہیں تو اس کی گہرائی میں بھی شخصی حکومت اور ملوکیت کے سوتے ابلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

تماشہ

آفتاب عالمتاب کی روشنی میں یہ تماشہ ہمارے سامنے ہوتا رہتا ہے کہ جمہور نے بلاواسطہ یا بالواسطہ نمائندے منتخب کر دیئے۔ ان نمائندوں نے اپنی اکثریت سے یا اس پارٹی نے جس کے ٹکٹ پر نمائندوں کی اکثریت منتخب ہوتی ہے اس نے ایک لیڈر منتخب کیا۔ جس کو وزیر اعظم کا لقب دیا جاتا ہے۔ وزیر اعظم نے اپنے خاص مشیر (جو اس کے اشاروں پر چل سکیں) منتخب کر لئے۔ اب قانون کی پوری طاقت وزیر اعظم کے قبضہ میں ہے۔ احتیاط برتی جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ وزیر اعظم اور اس کے مشیرانِ خصوصی (کابینہ یا کیبنٹ) کے قبضہ میں ہے۔ اور اقتدار اعلیٰ ان کی من مانی کارروائیوں کا کھلونا ہے۔ ان کو اگر خوف ہے تو صرف اپنی پارٹی کا۔ جس کے سامنے وہ قانونی طور پر جواب دہ ہیں۔

مگر قانون کیا ہے ــ؟

ایک موم کی ٹکیہ ہے۔ اور وزیر اعظم اور اس کے قانون دان

مشیروں کی قابلیت کا کمال یہ ہے کہ وہ اس موم کی ٹکیہ کو اپنی پسند کے ڈھانچے میں ڈھالتے رہیں اور اپنی من مانی کے لئے جواز پیدا کرتے رہیں۔ ان کو اگر من مانی سے روک سکتا ہے تو صرف خوف خدا۔ مگر جمہوریت کے لئے جب سیکولر ہونا ضروری ہے تو وہاں خوف خدا تو کیا۔۔ خدا کا تصور بھی دور از کار ۔۔ اور خارج از بحث ہے۔ مکمل جمہوریہ وہ ہے جو تصور خدا سے آزاد ہو۔

اب اس ضرب و تقسیم کا حاصل یہ ہے کہ صنم خانہ سیاست میں جمہوریت کے پس پردہ وہی صنم ۔۔ جلوہ آرا ہے جو تخت شاہی پر رونق افروز تھا۔

اسلام اس موقع پر خوف خدا کو بنیادی شرط قرار دیتا ہے۔ اور اسی کو مستحق قیادت قرار دیتا ہے جس میں تقوی زیادہ ہو۔

فریب نظر

جمہوریت نواز دنیا میں مساوات اور آزادی رائے کے ڈھول بہت پیٹے جاتے ہیں۔ مگر اس کی آخری حد پولنگ اسٹیشن ہے جہاں ہر شخص اپنا ووٹ جس کو چاہے دے سکتا ہے۔ اس کے بعد اکثریت صاحب اقتدار ہے۔ اقلیت محکوم، اور مرعوب اور ووٹ دینے والے ہیجان و غلطان، حیران و پریشان۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر بالغ کو حق رائے دہندگی۔ ایک افسون اور ایک طلسم ہے مساوات نہیں ہے۔

مساوات یہ ہے کہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اعلان

فرما رہے ہیں کہ :۔

"میں یقیناً محمدؐ کی بیٹی فاطمہ کے بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں گا اگر وہ چوری کرے۔"

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا لڑکا نشہ آور چیز استعمال کر لیتا ہے تو دروں سے اس کی کمر چھلنی کر دی جاتی ہے۔ (یہاں تک ایک روایت یہ ہے کہ وہ اس صدمہ سے جانبر نہ ہو سکا)

نیشنلزم اور قوم پرستی

قرآن حکیم اس موقع پر نیشنلزم اور قوم پرستی کو بھی ظلم قرار دیتا ہے اس کی ہدایت ہے :

"ہر گز ہر گز ایسا نہ ہو کہ کسی قوم سے جو بغض تمہارے اندر ہے (یا قومی عصبیت وحمیت) تمہیں کسی بے انصافی پر آمادہ کر دے۔ ہر حال میں اور ہر ایک کے ساتھ انصاف کرو۔ یہی تقویٰ سے لگتی ہوئی بات ہے۔

سورہ مائدہ ۵ ، ۲۶ آیت ۸"

وہ غیر مسلم۔ ظالموں اور غاصبوں کے حق میں بھی کسی قسم کی زیادتی کو جائز نہیں قرار دیتا۔۔۔۔ اس کا اعلان ہے۔

اگر ایک قوم نے تمہیں تمہارا حق نہیں دیا انتہا یہ کہ تمہیں خانہ کعبہ اور مسجد حرام کی زیارت سے بھی روک

دیا تب بھی تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ تم زیادتی کرو،
اور انصاف کی حدود کو پس پشت ڈال دو
(سورہ مائدہ پ۵ آیت ۲۱)

یہ عدل و انصاف اسی وقت نافذ اور جاری ہو سکتا ہے۔ اور یہ مساوات اور اخوت اسی صورت میں بروئے کار آ سکتی ہے اور جمہوریت اسی وقت گلدستہ راحت اور گلشن و اطمینان بن سکتی ہے جب اس کے قائد کے دل میں خدا کا خوف ہو اور وہ اس خوف و خشیہ میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔ وہ یقین رکھتا ہو کہ اس کو ایک روز احکم الحاکمین کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔

قرآن حکیم نے تشکیل جمہوریہ اور طریقہ انتخاب کی طرف قطعاً توجہ نہیں فرمائی کیوں کہ یہ منزل نہیں ہے منزل تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے جس کا راہرو کبھی گم بھی ہو جاتا ہے۔ منزل یہ ہے، عدل و انصاف اور اس منزل کی بنیاد ہے۔ مساوات داخوت اور اس کا آب و گل ہے تقویٰ، تقویٰ نہ ہو تو یہ عمارت ریت کا تودہ ہے۔ اور مساوات واخوت نہ ہو تو عدل وانصاف کا تصور نقش برآب اور ہوا ہے۔

قرآن حکیم نے اس منزل کی بنیاد کو ابھارا کہ نوع انسان کو ایک مرد اور عورت کی اولاد قرار دیا اور اس کے آب و گل کی نشان دہی کر دی کہ معیار انتخاب تقویٰ ہونا چاہئے باقی خلا کو پر کرنے کے لئے ان اخلاق اور اوصاف کی ضرورت ہے۔ جو پہلے صفحات میں بیان

کیئے گئے۔

آپ اگر قصر جمہوریت کو آباد اور بارونق دیکھنا چاہتے ہیں تو جمہور کو ان اخلاق و اوصاف سے آراستہ کیجئے۔

اگر جمہور میں یہ اخلاق اور اوصاف نہیں ہیں تو جمہوریت کی دیواریں خواہ کتنی اونچی ہوں جمہوریت کا قلعہ قصر راحت نہیں ہوگا بلکہ ایک سنٹرل جیل ہوگا جس میں ایسی مخلوق بند ہو جس کے لئے موزوں لفظ شتر بے مہار ہو سکتا ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدی اللہ فھو المھتدی ومن یضللہ فلا ھادی لہ

محمد میاں

اسلامی جمہوریت۔ اور امن عالم

جمہوریت کی تربیت اگر ان اصول پر ہو جو قرآن حکیم سے اخذ کر کے اس کتابچہ کے صفحات میں پیش کیے گئے ہیں تو وہ صرف اپنے حدودِ مملکت ہی میں راحت و اطمینان، خوش حالی اور انسانی شرافت کا گلشن سدا بہار نہیں ہوگی بلکہ وہ پورے عالم کے لئے امن و آشتی کی ضمانت ہو سکتی ہے

قرآن حکیم نے کسی مستقل عنوان کے تحت امن عالم کا فارمولا پیش نہیں کیا۔ البتہ اس نے ایسے اصول کی تلقین کی ہے جو امن عالم کا بہترین فارمولا ہیں ان سے بہتر امن عالم کا کوئی فارمولا نہیں ہو سکتا۔ آئندہ صفحات میں یہ اصول ملاحظہ فرمایئے اور فیصلہ آپ خود کیجئے۔

امن عالم کا مقدس فارمولا

بنیادی نظریہ انسانیت واجب الاحترام حقیقت ہے، یہ رنگ و نسل سے بہت بلند ہے، جغرافیائی حد بندیوں سے آزاد ہے جہاں بھی ہے واجب الاحترام ہے۔ کیونکہ یہ خلافتِ الہیہ ہے، یہ رب العالمین کا پرتو ہے اس کو احسنِ تقویم عطا ہوا ہے۔ ہٰذا پہلا اور آخری فرض یہ ہے کہ انسانیت کے فطری تقاضوں کو پورا کرو یعنی

(۱) فاطرِ ہستی اور خالقِ کائنات کی عظمت کے سامنے گردن جھکاؤ، وہ رب العالمین ہے، ارحم الراحمین ہے، مالک الملک ہے، احکم الحاکمین ہے۔

(۲) انسانیت کے سچے اور پاکباز خادموں کا احترام کرو، خواہ وہ کسی قوم کسی اُمت کسی جماعت یا کسی ملک میں گذرے ہوں۔

اگر عام شہرت یا تاریخی روایت کسی شخصیت کے متعلق اخلاق و کردار کا اونچا معیار پیش نہیں کرتی لیکن ہزاروں لاکھوں انسان اُس کا احترام کرتے ہیں تو تم شہرت و روایت کے مقابلہ میں اُن احترام کرنے والوں کے جذبات کا احترام کرو اور کم از کم ایسی کوئی بات نہ کہو جس سے احترام کرنے والوں کے جذبات مجروح ہوں کیونکہ جس شرافت کا نام اسلام ہے اس کا تقاضا یہی ہے۔

(۳) تمام انسان بھائی بھائی ہیں کیونکہ وہ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ خواہ اُن کا کوئی رنگ ہو اُن کی بولی خواہ کچھ ہو اور وہ کسی بھی ملک میں رہتے ہوں وہ سب انسانیت میں مشترک ہیں۔ لہٰذا اخوت اور مساوات کے مستحق ہیں اُن میں اگر کوئی امتیاز

ہو سکتا ہے تو نسل، رنگ یا ملک اور قوم کی بنا پر نہیں بلکہ اخلاق، کردار افادیت اور خدمتِ خلق، خدا پرستی اور خوفِ خدا کی بنا پر۔ پس سب سے زیادہ مستحق تعظیم وہ ہوگا جو خدا پرستی اور اعلیٰ کردار میں سب سے اعلیٰ ہو۔

(۴) نسلی امتیاز، قبائلی اونچ نیچ شیطنت ہے اس کو ختم کردو۔ شیطان اس غرور کے باعث مردود و ملعون ہوا کہ اُس نے اپنی فطرت کو فطرتِ انسان سے بلند و بالا سمجھا۔ انسان اس غرور میں مبتلا ہو کر انسانیت کی وسیع چادر کو پارہ پارہ کر ڈالتا ہے۔ لہٰذا یہ غرور ختم کرو۔

(۵) وہ سرمایہ داری جو انسانی صورت کو تجوریوں کا اژدہا بنا دے، قارونیت ہے۔ اس کو ختم کردو۔ کیونکہ یہ انسانیت کو پامال کرتی ہے، کمزوروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتی ہے، اور اپنے نفع کی خاطر دوسروں کا خون چوستی ہے۔

(۶) ملوکیت کا دوسرا نام فرعونیت ہے، فرعونیت نہ کسی انسان کی برداشت ہو سکتی ہے نہ کسی خاندان اور طبقہ کی اور نہ کسی قوم کی۔ لہٰذا خاندانی سامراج کی طرح قومی سامراج یعنی نوآبادیاتی نظامِ حکومت یا کسی شخص یا طبقہ کی مطلق العنانیت بھی، انسانیت کے لئے لعنت ہے، اس کو ختم کرو۔

(۷) شاہنشاہیت کی طرح شاہانہ طرزِ زندگی بھی ختم کرو۔ سونے چاندی کے برتن، ریشمی اور زردوزر و بفت لباس و پوشاک جو شاہانہ زندگی کے لوازمات ہیں اور ایسا اعلیٰ اور پُر تکلف طرزِ زندگی جو انسانی دماغوں میں رشوت ستانی، خیانت اور غبن وغیرہ کا بحران پیدا کردے۔ ان سب کو حرام قرار دو اور پورے ملک کی اقتصادیات کا صحیح جائزہ لے کر مساویانہ طرزِ زندگی اختیار کرو۔ تاکہ انسانیت کی ظاہری سطح بھی

نشیب و فراز سے محفوظ رہے اور اخوت و مساوات کے لفظی دعوے عملی جامہ پہن سکیں۔

(۸) عیش و عشرت، شراب و کباب، رقص و سرود جو دامن انسانیت پر ناپاک دھبے ہیں، جن سے جامۂ انسانیت تار تار ہوتا ہے اور جن سے اقتصادی مساوات کو تباہ کرنے والے رجحانات جنم لیتے ہیں۔ ان سب کو ختم کرو۔

(۹) جُوا، سٹّہ، سود اور ایسے تمام حرفے جو سرمایہ داری کا رجحان پیدا کریں اور انسانی مساوات کو درہم برہم کردیں۔ یک قلم بند کردو۔

(۱۰) نظامِ حکومت ضرور قائم کرو۔ مگر نصب العین اور دستور اساسی کے بنیادی مقاصد یہ ہوں:۔

(الف) تربیت (نہ صرف جسمانی اور مادی بلکہ ایسی تربیت کہ آزادیٔ رائے اور آزادیٔ ضمیر کے ساتھ اخلاقی و روحانی تربیت پر بھی مشتمل ہو۔

(ب) رحم۔ ایسا رحم جس کا دامن خدا کی تمام مخلوق کے لئے وسیع ہو۔

(ج) عدل۔ یعنی ایسا انصاف جو اپنے پرائے دوست اور دشمن سب کے لئے یکساں ہو تاکہ خلیفۃ اللہ یعنی انسان کے ذریعہ رب العالمین۔ ارحم الراحمین، مالک یوم الدین کی صفات (تربیت رحمت اور عدل) کا ظہور ہو سکے۔

(۱۱) آزادیٔ ضمیر۔ آزادیٔ رائے، بنیادی حق ہے۔ کسی قوم، فرد یا کسی خاندان کا ایسا اقتدار جو دوسروں کی آزادی رائے سلب کرلے۔ فتنہ ہے۔ فساد فی الارض ہے۔ اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے جنگ کرو۔ اور فساد فی الارض کے بجائے اللہ کے ملک میں اصلاح پیدا کرو۔

خصوصیات مسلم

مسلمان کو ایک امتیاز حاصل ہوگا، بشرطیکہ

(الف) وہ مذکورہ بالا اصول کا علم بردار ہو کہ اُن کو بروئے کار لانے کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دے۔

(ب) وہ اپنے کردار میں سراسر رحم اور عدل و انصاف ہو۔ اور اُس رحمتِ عامّہ کا مظہر اور ان اعلیٰ اخلاق کا پیکر ہو جن کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء بنا کر مبعوث کیا گیا تھا اور جن کو زندہ رکھنے کے لئے الذکر یعنی قرآن حکیم اور خداوندی دستورِ اساسی کو رہتی دنیا تک محفوظ کر دیا گیا ہے۔

(ج) وہ سب سے زیادہ اپنے خالق اور اپنے پروردگار سے محبت کرتا ہو۔ خالق کی فرمانبرداری اور رضاجوئی کے لئے اس کی ہر چیز حتیٰ کہ اس کی جان بھی قربان ہو۔ اُس کا قول و فعل ہر موقع پر حق و صداقت کی شہادت بلند کرتا ہو۔ اور اس کا ہر ایک کردار اس بات کی دلیل ہو کہ وہ اس جماعت کا فرد ہے جو افضل ترین جماعت (اُمتہ وسط) ہے کیونکہ اس کی جماعتی زندگی بھی دنیا کے لئے نمونہ ہے اور انفرادی زندگی بھی سبق آموز مثال ہے۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّق

نیازمند۔ محتاج دعا

محمد میاں عفی عنہ

۱۴ر جمادی الاول ۱۳۸۸ھ۔ ۹ر اگست ۱۹۶۸ء